مترجم:۔ ڈاکٹر محمد عمر
ریڈر شعبۂ تاریخ ـ علی گڑھ
مسلم یونیورسٹی ـ علی گڑھ۔

مجالسِ کلیمی

(ملفوظات شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی)

مُرتّبہ

خواجہ محمد کامگار خاں، خادم و مُرید حضرت شاہ نظام الدین
اورنگ آبادی، خلیفہ شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی

خواجہ محمد کامگار خاں کا آبائی وطن اورنگ آباد دکن تھا۔ ان کے خاندان کا شمار حضرت خواجہ نقشبند (خواجہ بہاء الدین شاہ نقشبند) کی اولاد میں ہوتا تھا۔ خواجہ محمد کامگار خاں شاعر بھی تھے اور انھوں نے حاکی تخلص اختیار کیا تھا۔ وہ سرکاری ملازم کی حیثیت سے اورنگ آباد کی عدالت میں داروغہ کے عہدے پر فائز تھے۔ نہ صرف وہ اور ان کے چھوٹے بھائی، خواجہ محمد نور الدین نقشبندی الحسینی الحصاری بلکہ ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی شاہ نظام الدین اورنگ آبادی، مرید و خلیفہ شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی کے دستِ مبارک پر بیعت تھے اور یہ دونوں بھائی اپنے پیر و مُرشد سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ جس زمانے میں شاہ نظام الدینؒ شولاپور سے نقلِ سکونت کر کے اورنگ آباد تشریف لائے تو خواجہ

لہ برائے حالات ملاحظہ ہو خزینۃ الاصفیاء۔ جلد اول ص: ۵۴۴-۵۵۱۔

کامگار خاں اور ان کے برادر خورد سے تعلقِ خاطر کی وجہ سے اُنھوں نے اپنی خانقاہ ان کی حویلی کے متصل قائم کی تھی۔ خواجہ محمد کامگار خاں نے اپنے پیر و مرشد سے والہانہ عقیدت کی وجہ سے شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے ملفوظات و حالات احسن الشمائل کے نام سے مرتب کیے تھے۔

خواجہ محمد کامگار خاں کا بیان ہے کہ میرے اور میرے چھوٹے بھائی کے دل میں حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی کی خدمت میں حاضر ہونے اور اُن کی قدمبوسی کا بڑا اشتیاق تھا لیکن دہلی جانے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آتا تھا۔ خوش قسمتی سے سلطان محمد فرخ سیر (۱۷۱۳ء — ۱۷۱۹ء) کے دورِ حکومت میں اورنگ آباد کے صوبہ دار، بخشی الممالک امیر الامرا حسین علی خاں بہادر سپہ سالار نے اچانک دہلی کے لئے کوچ اور شہر مذکور میں تعینات تمام عہدہ داروں کو ہم رکابی کا حکم دیا گیا۔ خواجہ محمد کامگار خاں کا خیال یہ تھا کہ دو تین منزل تک ساتھ لے جانے کے بعد ان عہدہ داروں کو واپس کر دیا جائے گا۔ لہٰذا وہ بخشی الممالک کے لشکر کے ساتھ بتاریخ ۱۳/ ماہ محرم ۱۱۳۲ھ کو اورنگ آباد سے روانہ ہو کر دار السرور برہانپور تک پہنچے لیکن انھیں واپسی کی اجازت نہ ملی۔ اس طرح ان کا دہلی پہنچنے کا اتفاق ہوا اور انھیں حضرت معشوقِ الٰہی حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کی قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ خواجہ محمد کامگار خاں نے لکھا ہے کہ: "دلِ مشتاق کو مدت سے جس بات کی آرزو تھی وہ اس موقع پر پوری ہوئی۔ زمانے کی حقیر گردش اور رنگا رنگ زمانے کی تیز رنگیوں کی وجہ سے بتاریخ ۲۴/ ماہِ ربیع الاوّل سنہ ھ مذکور کو برادرم خواجہ محمد نور الدین خاں کی وفات کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ اور یہ زخمی دل، داغِ ابدی اور دردِ دائمی میں گرفتار ہو گیا۔"

خواجہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ برادرِ عزیز کے واقعۂ وفات سے پہلے میرے دل میں یہ بات آئی تھی کہ اس بھائی کے لئے اس سفر کا اس سے بہتر کوئی دوسرا تحفہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ولایت مرتبت کی کرامت ترجمان زبان سے اُن کی مجلسوں میں جو فوائد میں نے سُنے تھے، اُن کو قلم بند کر لوں اور واپس جا کر اپنے عزیز بھائی کو یہ تحفہ پیش کروں۔ لہٰذا اس مقصد کے پیشِ نظر میں نے اس

رسالہ کو مرتب کیا تھا اور اس کا نام مجالس کلیمی رکھا تھا۔

اس رسالہ میں حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی کی چودہ مجلسوں کا ذکر آیا ہے اس کے مطالعہ سے پہلی بار یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اٹھارھویں صدی کے سیاسی، اقتصادی، سماجی اور مذہبی حالات نے چشتی سلسلے کے بزرگوں کو اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ عملی زندگی میں اپنے پیش رو بزرگوں کے بعض اصولوں کو ترک کر دیں اور معاصر حالات کے تقاضوں کی روشنی میں نئے اصول مرتب کریں۔ مثلاً چشتی سلسلے کے بزرگوں کے ملفوظات میں بالعموم اُن کے اس نظریاتی اصول پر بہت زور دیا گیا ہے کہ یہ بزرگ شاہانِ وقت اور اپنے عہد کے امیروں سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی ان کی مالی امداد قبول کرتے تھے لیکن یہ اصول محض نظریاتی تھا۔ اور عملی زندگی اس کے برعکس بھی جیساکہ اس رسالے کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ کے تعلقات شاہانِ عصر اور امیروں سے بہت خوشگوار تھے۔ اور وہ لوگ ان کی خانقاہ میں حاضری بھی دیا کرتے تھے اور رشد و ہدایت کی مجالس میں شرکت بھی ہوا کرتے تھے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے باوجود شاہ صاحب شاہانہ مغلیہ کے کردار اور چال چلن پر تبصرہ کرنے سے گریز بھی نہیں کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ ان کے لئے دعائے خیر بھی کیا کرتے تھے۔ اس رسالے میں بعض دوسرے ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے جو شاہ صاحب سے متعلق دوسرے منابع میں دستیاب نہیں ہوتے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ابھی تک مکتوباتِ کلیمی بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے تھے لیکن زیرِ مطالعہ رسالہ حالانکہ بہت ہی مختصر ہے تاہم کئی لحاظ سے یہ ایک بہت ہی اہم ماخذ ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے شاہ صاحب کی شخصیت، خانقاہی زندگی، عوام الناس سے ان کے تعلقات اور معاصر بادشاہوں اور امیروں سے ان کے روابط پر روشنی پڑتی ہے۔ گو کہ یہ رسالہ ۱۳۲۸ھ/ ۱۰-۱۸۱۰ء میں مطبع برہانیہ، حیدر آباد سے شائع ہو چکا تھا لیکن تعجب ہے کہ یہ رسالہ عام نظروں سے پوشیدہ رہا اور اسٹوری، اور مارشل کی

مرتب کردہ فہرست کتب اور دوسری فہرستوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ اور نہ ابھی تک کسی مطبوعہ کتاب میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔ حسن اتفاق اور خوش قسمتی سے راقم الحروف کی نظر اس رسالے پر پڑی اور مجھے اپنی کتاب: اٹھارھویں صدی میں مسلم معاشرہ" (انگریزی زیر طبع) میں شاہ صاحب کے حالات مرتب کرنے میں اس رسالے سے بڑی مدد ملی میرے لئے یہ رسالہ ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس رسالے کا ایک مطبوعہ نسخہ اتفاق سے مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں موجود ہے جس کو میں نے حاصل کیا ہے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے کتب خانے میں اس کا ایک مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔

فی الحال اس رسالے کا اردو ترجمہ عوام کے استفادہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے اور فارسی متن زیر طبع ہے جس کے مقدمے میں شاہ صاحب کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں اور اٹھارہویں صدی میں چشتی سلسلے کے زوال کے بارے میں سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ میں نے وہاں تفصیل سے یہ بات بھی لکھ دی ہے کہ مجھے اس رسالے کی تدوین اور شائع کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی مجلس:

بروز اتوار بتاریخ ۲۸/ربیع الاول ۱۲۳۲ھ کو قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ (انھوں نے) اس عاجز کے حال پر بے حد شفقت اور عنایت فرمائی اور حضرت صاحب اور قبلہ غریب نواز حضرت نظام الملۃ والدین کی خیریت معلوم کی۔ اس کمترین نے عرض کیا کہ الحمد للہ بخیر و عافیت ہیں اور ان کا مزاج بالکل ٹھیک ہے۔ اور وہ صحت مند ہیں۔ امیر الامراء کے ساتھ بلا ارادہ اس خاکسار کا اس شہر (دہلی) میں آنا ہوا۔ قدوی کا ارادہ یہ تھا کہ دو تین منزل ان کے ساتھ جانے کے بعد ان سے واپسی کے لئے اجازت حاصل کرلے اور خجستہ بنیاد (اورنگ آباد) واپس لوٹ جائے (لیکن) مجھے اس کی اجازت نہ ملی اور بلا ارادہ ہندوستان آنے کا اتفاق ہوا۔ ورنہ غریب نواز لازمی طور پر کوئی نہ کوئی خط بھیجتے۔ (انھوں نے) فرمایا کہ تم خود ان کے مکتوب ہو۔ بھائی محمد نور الدین کے حالات دریافت فرمائے۔ میں نے عرض کیا کہ (میرے) بھائی کو آپ کی قدمبوسی کا اشتیاق اس قدر ہے کہ اس کا بیان نہیں کیا جا سکتا ہے شوق (قدمبوسی) کا جتنا غلبہ ویسے جیسے اس عزیز کو لاحق ہے وہ آپ کے

سورج کے مثل روشن ضمیر میں ہویدا ہے۔ براہِ مہربانی اور بندہ نوازی (انھوں نے) فرمایا کہ تم دونوں بھائیوں کے دیکھنے کا مجھے بھی اسی قدر اشتیاق تھا جتنا کہ تمہارے شیخ کو۔ (انھوں نے) جو کرم اور غلام نوازی اس ناچیز اور میرے بھائی علیہ الرحمۃ کے حال پر کی، اس بات سے اس خاکسار پر بھاری رقت طاری ہوگئی۔ بے اختیار میں سجدۂ شکر بجالایا۔ چند لمحے وہاں بیٹھنے کے بعد مجھے رخصت عطا ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ (اللہ کا شکر ہے اس پر)۔

دوسری مجلس :-

بروز جمعہ، بتاریخ ۴/ ربیع الثانی سنہ ھ کو قدمبوسی کی دولت میسر ہوئی۔ ایک شخص نے ہندوستان کے بادشاہ (محمد) فرخ سیر کی غفلت شعاری کا ذکر کرتے ہوئے یہ عرض کیا کہ وہ سلطنت کے معاملات کی طرف سے بے حد غفلت برتتا ہے اور وہ بیکار ہے۔ ہندوستان کے بادشاہ کے لئے ایسی بے خبری اور غفلت شعاری اس کے مناسب حال نہیں ہے۔ فرمایا (شاہ صاحب) کہ شاہِ وقت کے پردادا عالم گیر (محمد اورنگ زیب) ملک کے حالات سے خود کو باخبر رکھنے اور اپنی ہوشیاری میں بے نظیر تھے۔ اور پھر یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ میرے شیخ شیخ یحییٰ مدنی قدس سرہٗ، اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت لے کر حرمین الشریفین، زادہم اللہ شرفاً (اللہ تعالیٰ ان کی (والدہ محترمہ) شرافت کو زیادہ کرے) کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اپنی والدہ سے، جو گجرات میں رہتی تھیں، یہ وعدہ کیا تھا کہ حج سے فارغ ہونے اور حضرت رسولؐ کے روضۂ پاک کی زیارت کرنے کے بعد میں واپس لوٹ آؤں گا۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینۂ منورہ، جو نبی سکینؐ کا مقام ہے، تشریف لے گئے۔ روضۂ شریف کی زیارت کی وجہ سے انھیں اس مقام سے اس قدر وابستگی پیدا ہوگئی کہ وہاں سے ان کا واپس ہونا ممکن نہ رہا۔ (لیکن) وہ وعدہ جو انھوں نے اپنی والدہ محترمہ سے کیا تھا، بعض اوقات مخل انداز ہوتا تھا۔ تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کی محبت انھیں نہ چھوڑتی۔ ایک دن وہ مدینۂ منورہ

میں موجود تھے کہ شیخ عثمان نامی باکمال ایک درویش مع اپنے اصحاب کے اس اعلیٰ مقام پر تشریف لاکر روضۂ منورہ کے روبرو کھڑے ہوگئے۔ شیخ مذکور بے حد خوبصورت، اور وجیہہ تھے ان کا جبہ سیاہ رنگ کا تھا اور سر پر رنگ برنگ کپڑے کا عمامہ باندھے ہوئے تھے اور ان کے اصحاب شیخ کی طرح یک رنگی لباس پہنے ہوئے صف باندھ کر کھڑے ہوئے تھے۔ میرے شیخ قدس سرہ (شیخ یحییٰ مدنی) فرماتے تھے کہ اس موقع پر شیخ عثمان کی صورت مبارک اور ان کے اصحاب کی وضع اور اس جماعت کا لباس انھیں بہت پسند آیا اور کالے لباس میں ان کا نورانی چہرہ اس طرح جلوہ گر نظر آرہا تھا جیسے کہ کالے بادلوں میں چمکتا ہوا چاند۔ (لہٰذا) میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس شیخ سے مشورہ کرنا چاہئے کہ اپنی والدہ محترمہ سے جو وعدہ میں نے کیا تھا اس کے مطابق (روضۂ شریف) سے اس دلبستگی کے باوجود میں واپس چلا جاؤں یا یہیں ٹھہرا رہوں۔ بڑی بیقراری کی حالت میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوکر میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا۔ شیخ نے فرمایا کہ والدہ ماجدہ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں ہونی چاہئے۔ شیخ کے فرمانے کے مطابق مجبوراً میں واپس (گجرات) لوٹ آیا۔ چند ہی دنوں میں میں والدہ محترمہ کی خدمت میں واپس پہنچ گیا۔ چند دنوں کے بعد والدہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد بیوی بچے حرمین شریف جانے کی راہ میں مانع اور حائل ہوئے۔ اتفاق سے ایک حاجی کا مکہ سے گجرات آنا ہوا۔ چوں کہ اس ملک کے اکثر باشندے میرے شیخ سے بڑی عقیدت اور امیدیں رکھتے تھے، اس لئے انھوں نے حاجی موصوف کے ذریعہ ان کے لئے آبِ زمزم بطور تحفہ بھیجا جو انھوں نے لاکر شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش کیا۔ (میرے) شیخ نے خادم کو بلاکر کہا کہ اس پانی کو اپنے پاس رکھ لو اور جس دن فقرا اور صلحا کا مجمع ہوگا اس موقع پر یہ پانی تبرکاً تقسیم کر دیا جائے گا۔ خادم نے ایسا ہی کیا۔ ۲۷/رجب المرجب کی رات کو عورت اور مرد معتقدین اور مریدین آستاں بوسی کے لئے وہاں جمع ہوئے۔ علما و فقرا کی مجلس منعقد ہوئی۔ خادم نے عرض کیا اور آبِ زمزم لاکر پیش کیا۔ یہ حکم ہوا کہ عشاء کی نماز اور

کھانے کے بعد اس پانی کو تقسیم کر دیا جائے۔ نماز کے بعد وہ خادم پھر اس تبرک کو لایا حضرت شیخ نے حاضرین سے فرمایا کہ رسول علیہ السلام کی حدیث میں آیا ہے کہ جس نیت سے ایک شخص اس پانی کو پیتا ہے اور جو دُعا وہ کرتا ہے، وہ قبول ہو جاتی ہے۔ اس پانی کو پینے کے بعد ہر شخص نے اپنی خواہش کے مطابق دُعا مانگی جب حضرت شیخ کی باری آئی تو نبی کے دیدار کے تشنہ اور حسن مصطفوی کے اس مشتاق نے یہ مراد مانگی کہ: "اے قاضی الحاجات ایسی صورت پیدا کر اور مجھے مدینہ کے راستے پر روانہ کر دے" یہ دُعا کر کے اس جوش و ولولے سے اس پانی کو پیا کہ آتش شوق بھڑک اُٹھی۔ اس پانی کے پینے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ وہ بے چین ہو کر اُٹھ بیٹھے اور کعبے کے لئے بے اختیار روانہ ہو گئے۔ باہر کے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ وہ گھر کے اندر چلے گئے ہیں اور اندر کے لوگوں کو یہ یقین تھا کہ وہ باہر ہیں۔ کچھ دیر کے بعد معتقدین کو حقیقتِ حال سے آگاہی ہوئی کہ وہ نہ تو اندر ہیں اور نہ باہر۔ اس بے مثل شیخ نے اندر اور باہر کی قید سے نجات حاصل کر لی تھی۔ (لہذا) نماز فجر کے بعد وہ لوگ ان کی تلاش میں ہر طرف دوڑے (اور) چند متلاشی شہر کے دروازے تک پہنچ گئے۔ (وہاں) انھوں نے یہ دیکھا کہ ایک لکڑہارا سر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھے ہوئے شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ انھوں نے اس سے کھوئے ہوئے شیخ کا پتہ معلوم کیا۔ اُن لوگوں کی طرف دیکھ کر اس نے یہ بتایا کہ فلاں جنگل میں میں نے شیخ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا متلاشی ہوا کی تیز رفتاری سے ہر طرف بھاگے اور بگولے کی طرح انھوں نے جنگل کو چھان ڈالا۔ پتہ یہ چلا کہ وہ راحتِ جاں عصائے مبارک کو ایک جگہ زمین پر ڈال کر چاشت کی نماز ادا کرنے میں منہمک ہیں۔ بادل کی طرح اس آفتاب کے گرد حلقہ بنا کر اُن اصحاب نے اُن سے منت و سماجت کی اور گریہ وزاری کرنے لگے اور اُن سے یہ دریافت کیا کہ کس سمت جانے کا اُن کا پختہ ارادہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اُن کا ارادہ کعبہ شریف اور مدینۂ منورہ کی طرف جانے کا ہے۔ اور اس ارادے سے میں باز نہیں آسکتا۔ انھوں نے پُر اصرار انداز میں یہ درخواست کی کہ مخدوم زادوں میں سے کس کے بارے میں حکم ہے کہ وہ مسندِ ارشاد

پر جلوہ افروز ہو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ میرا بڑا بیٹا دیوانہ ہے جبکہ ہدایت کے کام کے لئے سالک کو مجذوب ہونا چاہیے۔ میرا دوسرا بیٹا اس کام کی اہلیت نہیں رکھتا ہے۔ اور اُن میں سے جو سب سے چھوٹا ہے وہ نوکری کرلے۔ یہ وصیت کرکے وہ روانہ ہوگئے۔ اور منزلِ مقصود تک پہنچ گئے، اور مدینہ میں جو ذہنی سکون کا مقام ہے، سکونت اختیار کرلی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک رات کی آخری گھڑی میں تہجد ادا کرنے کے لئے اُٹھے، جہاں پانی تھا وہاں جا رہے تھے کہ اُن کا پیر پھسل گیا اور اس تاریکی میں ان کا پیر زخمی ہوگیا۔ طریقۂ شوق کے اس قاصد نے مختارِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) سے از سرِ نو عہد کیا۔ اس کے علاج سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اس زخم کا کوئی علاج نہ کیا۔ اُمید افزا یہ آواز آئی کہ اے گریزپا (غلام) محبت کے راستے سے اب ہرگز اپنا پیر نہ ہٹانا۔ اسی حالت میں درِ محبوب پر بیٹھ گئے اور تاحیات محبوب کے راستے پر پڑے رہے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ (اُن کے) تیسرے صاحبزادے، جنھیں نوکری کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا، گجرات سے دہلی تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں گجرات کا باشندہ موسیٰ خاں، عالمگیر کا صدر الصدور تھا جو حضرت شیخ قدس سرہٗ کے کمالات سے واقف تھا اُس وقت اُن کے نامور بیٹے نے دہلی پہنچ کر ایک خط کے ذریعہ خان مذکور صدر الصدور کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔ یہ اطلاع پاتے ہی اُنھوں نے فوراً سواری بھیج کر مخدوم زادے کو اپنے پاس بُلاکر حالات معلوم کیے۔ صاحبزادے نے کہا کہ حضرت شیخ کے ارشاد کے مطابق نوکری کی غرض سے میں یہاں آیا ہوں۔ اُسی وقت خان مذکور ظلِ سبحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن (صاحبزادے) کے بارے میں عرض کیا۔ حکم ہوا کہ رات کے وقت خلوت میں صاحبزادے کو پیش کیا جائے۔ لہٰذا موسیٰ خاں انھیں خلوت میں لے گئے۔ سلطانِ عصر سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ظلِ سبحانی نے اُن سے دہلی آنے کی وجہ دریافت کی۔ صاحبزادے نے جواب دیا کہ: شیخ (میرے والد) نے مجھے نوکری کے لئے مامور کیا ہے۔" سلطان نے دریافت کیا کہ حضرت شیخ کس تاریخ کو حرمین الشریفین کے لئے روانہ ہوئے، مخدوم زادے

نے جواب دیا کہ: ۲۶/ رجب کو عالم گیر نے کہا کہ گجرات کے واقعہ نگار نے اس واقعہ کا ذکر ۲۷/ تاریخ کے واقعات میں کیا ہے۔ (یہ سن کر) صاحبزادے نے عرض کیا کہ ۲۶/ تاریخ کا دن تھا اور ۲۷/ تاریخ کی رات۔ واقعہ نگار نے رات کو دن شمار کر لیا ہوگا۔ اس ذکر کا مدعا یہ بتانا تھا کہ عالمگیر بادشاہ کا حافظہ ایسا (قوی) تھا، اس کی یادداشت ایسی تھی اور اس قدر باخبر رہتا تھا کہ معمولی سا جو واقعہ اس کے ملکِ محروسہ میں وقوع پذیر ہوتا تھا، وہ اس کو کبھی نہیں بھولتا تھا۔ (اس کے برعکس) شاہِ وقت نے بڑے بڑے معاملات کو بالکل فراموش کر رکھا ہے۔ سلاطین کو ایسی غفلت شعاری سے کام نہیں لینا چاہیے اور اس درجے لاپرواہی انھیں زیب نہیں دیتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ عالمگیر نے صاحبزادے سے دریافت کیا کہ کیا داغ کے لئے ان کے پاس گھوڑے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ خرید لوں گا۔ موسیٰ خاں کو یہ حکم صادر ہوا کہ مخدوم زادے کو خزانے سے ہزار روپے دے دیے جائیں اور ان کو صدی منصب عطا کیا گیا۔ اور انھیں گجرات میں تعینات کیا گیا تاکہ وہ وہاں اپنی والدہ کے قریب رہیں۔ جاگیر کی سند تیار کر کے انھیں بھیج دی جائے۔ پانچ سو روپے کے دو گھوڑے خرید کر داغ کے لئے پیش کر دیں اور (بقیہ) پانچ سو سفر میں خرچ کر کے اپنی والدہ کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ اسی رات کو گجرات جانے کی اجازت بھی دے دی گئی۔ ان فوائد کے سننے کے بعد اس کمترین کو رخصت عطا ہوئی۔

الحمد للہ علیٰ ذالک

(باقی آئندہ)